رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۰۹۳

THE ALHAKAM

=Qadian=

الحکم

سلسلہ عالیہ احمدیہ کا سب سے پہلا اور مشہور و معروف اخبار

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ

بیا در بزم مستاں تا بہ بینی عالمی دیگر + بہشتے دیگر و ابلیس دیگر آدمے دیگر

مدیر - شیخ یعقوب علی تراب احمدی عرفانی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مدینۃ المسیح قادیان دار الامان سے ہر انگریزی ماہ کی ۷ + ۱۴ + ۲۱ + ۲۸ تاریخ کو خدا کے فضل کے ساتھ شائع ہوتا ہے

چہ گویم با تو گر آئی چہا در قادیاں بینی + دوا بینی شفا بینی غرض دار الاماں بینی

جلد ۲۵ | مورخہ ۲۱ اگست سنہ ۱۹۲۳ء | نمبر ۳۲

دار الامان کا ہفتہ

۱۔ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (جیسا کہ گزشتہ ہفتہ کے الحکم میں کہا گیا تھا) کتاب ہفوات المسلمین کا جواب لکھ رہے ہیں انشاء اللہ العزیز جلد اس کی اشاعت شروع ہو جائے گی +

۲۔ کتاب گھر قادیان نے اسی ہفتہ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی تصنیف "نور الدین" اور "ابطال الوہیت" کو چھپوا کر شائع کیا + حضرت حکیم الامۃ کی تصانیف کی اشاعت کی بہت ضرورت تھی۔ عرصہ سے یہ کتاب ختم ہو چکی تھی۔ آریوں کے اعتراضوں کا جواب حقیقی اس کتاب میں موجود ہے۔

۳۔ بارش کا سلسلہ بدستور چلا جا رہا ہے۔

۴۔ جزیرہ سماٹرہ کے تین لڑکے دینی تعلیم کے لیئے قادیان آئے ہیں۔ ان کی تعلیم کے لیئے خاص طور پر انتظام کیا گیا ہے۔ یہ لڑکے لکھنؤ اور لاہور بھی ہو آئے ہیں۔ عربی روزمرہ اور کسی قدر اردو سے اپنے مافی الضمیر کو ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے دینی مقاصد میں کامیاب کرے

۵۔ ملکانہ قوم کے جو طالب علم تعلیم کے لیئے آئے ہوئے ہیں ان کی تعلیم کے لیئے بھی خاص انتظام کیا گیا ہے۔

۶۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی خواہش ہے کہ ایک ایسا باضابطہ تعلیمی انتظام ہو جو ممالک غیر سے آنے والے طلباء کی تعلیم میں آسانیاں اور سہولتیں ہوں۔ یہ انتظام آپ کے زیر غور ہے انشاء اللہ جلد اس کے لیئے کوئی سکیم عملی طور پر ظاہر ہوگی +

۷۔ مکرم شیخ محمد یوسف ایڈیٹر اخبار نور کے یہاں مولود سادس پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نیکی اور سعادت میں عمر دراز کرے

مرآۃ الجہاد

آریوں کی طرف سے مسئلہ جہاد پر بہت اعتراض کیئے گئے ہیں لیکھرام مقتول نے اس پر ایک خاص کتاب لکھی ہے اور آج آریوں نے اشدھی کی تحریک کی بنیاد اسی پر رکھی ہے کہ اسلام بذریعہ تلوار پھیلایا گیا ہے۔ اس کتاب میں اس مسئلہ کی حقیقت عملی اور تاریخی حیثیت سے اس قابلیت سے بیان کی گئی ہے کہ بے اختیار مصنف کی محنت اور ہمت کی داد دینی پڑتی ہے اس کتاب میں آریوں کے قتل و غارت لوٹ مار اور بے حد ظلم اور زیادتیوں کا تاریخی ثبوت ایک خاص فصل میں دیا ہے

کتاب قابل دید ہے اور اسکی کثرت اشاعت کی ضرورت ہے ۲۱۴ صفحہ کی کتاب ہے اور ۱۲ فی جلد کے حساب سے دفتر الحکم قادیان سے ملے گی محصول ڈاک اسکے علاوہ ہے۔ یہ کتاب مولوی سید وزارت حسین صاحب اورینی (مونگیری) کی تالیف ہے،

از دفتر ناظر بیت المال

تمام امیران جماعت اور سکرٹری صاحبان و محاسب صاحبان کی خدمت میں اس اعلان کے ذریعہ اطلاع کی جاتی ہے کہ مقبرہ بہشتی کا روپیہ وصایا اور حصہ آمد کا جو بذریعہ عہدہ داران جماعت داخل کیا جاوے گا۔ یا کیا جاتا ہے۔ وہ جماعتوں کے سالانہ بجٹوں میں شمار کیا جاتا رہا ہے۔ اور اب بھی بہ فضل خدا محسوب کیا جاوے گا۔ گزشتہ اخبار الحکم میں جو اعلان دفتر مقبرہ بہشتی کی طرف سے کیا گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ موصیان اپنی رقوم حصہ آمد یا حصہ وصایا کو براہ راست جماعت سے الگ ہو کر ارسال فرمادیں۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ جماعت کے عہدہ داران کے ذریعہ ہی ارسال کیا جایا کرے۔ لیکن موصیان حصہ آمد و صایا کو یہ ضروری ہے کہ موصیان اپنا چندہ ادا کرتے وقت نمبر وصیت ضرور درج کر دیا کریں۔ اور عہدہ داران کو لازمی طور پر یاد رکھنا ضروری ہے کہ دار الامان میں روپیہ ارسال کرتے وقت موصیان کا روپیہ تفصیل کر دیا کریں تا کہ ان کے کھاتہ میں درج ہو جایا کرے۔ یہ امر موصیان کو خصوصیت سے یاد رکھنا چاہیئے کہ جماعت سے الگ ہو کر ہرگز کوئی روپیہ نہ ارسال فرمادیں

عبد المغنی۔ ناظر بیت المال قادیان

(انوار احمدیہ پریس قادیان میں با اہتمام شیخ یعقوب علی تراب احمدی پرنٹر و پبلشر و پروپرائٹر چھپکر تراب منزل سے شائع ہوا)

بقیہ مضمون صفحہ ۸

کہ اپنے نفس کی اصلاح اور دنیا میں ایک مومن اور مسلم کی طرح زندہ رہنے کے لیئے تم ایک موت قبول کر کے نئی زندگی پانے کو آمادہ ہو۔ لیکن یہ عزم نہ ہو اور اپنے سابقہ اعمال پر نادم نہ ہو۔ یہ جلسے۔ تقریریں محض ایک تماشہ سے بڑھ کر وقعت اور حقیقت نہیں رکھتی ہیں۔

اسلام کی مصیبت بہت بڑی مصیبت ہے۔ لاکھوں انسان اسلام سے مرتد ہو چکے ہیں اور جو باقی ہیں وہ اسلام سے اور حقیقت اسلام سے محض ناآشنا ہیں اور جو اسلام کی حقیقت سے واقف ہونے کے مدعی ہیں اُنکی غرض و غایۃ اب محض دنیا اور دنیا کی حکومتوں کا سوال رہ گیا ہے اسلام تم کو متاع دنیا کے غرور کا سبق دیتا رہا۔ تمھارا نصب العین لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تھا لیکن آج اسکی جگہ کوٹی اور نصب العین ہو گیا ہے۔ یہ

کایں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

اسلام جس قربانی کا تم سے مطالبہ چاہتا ہے وہ تمھارا خدا اتم کے لیئے اپنی زندگی میں پاک تبدیلی ہے اگر تمھاری جیبوں میں ایک سونے چاندی کا سکہ نہ ہو اگر روئے زمین پر حضرت مسیح کے الفاظ میں "ابن آدم کو سر رکھنے کی جگہ نہیں" کے حسب حال تمھارے سر رکھنے کو جگہ نہ ہو لیکن تم سچے مسلم اور مومن ہو تو یاد رکھو دنیا کی سلطنتیں اور حکومتیں تمھاری خادم ہیں لیکن اگر تم تمام دنیا کے بادشاہ ہو جاؤ اور تم میں اسلام نہ ہو تو تمھاری کچھ قیمت نہیں ایک مردہ کیڑے سے بھی زیادہ کم قیمت ہو۔

تمھارا مقصد خدا ہے دنیا نہیں اور تم خدا کو نہیں پا سکتے جب تک اسکے نہ ہو جاؤ اور اسکی کتاب پر عمل نہ کرو۔ اس عمل کے بعد تمھارا فرض ہوگا کہ دنیا کو اس حقیقت سے آگاہ کرو اور اس نور کی طرف بلاؤ۔ جس کی روشنی میں تم چل رہے ہو۔ تم نے اس کام کو چھوڑ دیا اور تم کو خدا نے چھوڑ دیا۔ اسلام دنیا کا آیندہ مذہب ہوگا اور ضرور ہوگا۔ لیکن تم پر افسوس ہوگا اگر تم اسکے پہنچانے والے نہ ہوئے۔

پھر خدا تعالیٰ ایک قوم کو برپا کرے گا جو اُسکی راہ میں ہر مصیبت اور دُکھ کو راحت سمجھیں گے اور وہ خدا کا نام آفاق میں پہنچا دیں گے۔ اور وہ وقت دور نہیں تم دیکھ لوگے بلکہ دیکھتے ہو کہ کس طرح مغربی قومیں نیاز مندی اور اخلاص کے ساتھ اسلام کی طرف آرہی ہیں۔ تم اُن کی حکومتوں پر رائے زنی کرتے ہو۔ یہ غلط طریق ہے تم ان کے مذہب کو درست کرو اور حقیقی مذہب کا انہیں پتا دو۔ جب وہ اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں گے تو دنیا میں حکومتوں اور ملکوں کی حدود کا سوال نہ رہیگا۔ پس اسوقت اپنی عملی زندگی میں ایک پاک تبدیلی کرو۔

چھوڑ دو وہ راگ جسکو آسماں گاتا نہیں

اب اسلام کی اشاعت کے لیئے خود سچے مومن اور مسلم ہو کر دنیا میں پھیل جاؤ۔ اور دنیا کو اس حقیقت سے واقف کرو جس سے وہ ناواقف ہے اسلام اس وقت ایک بیکسی کی حالت میں ہے اور اسکی مدد ہماری اپنی مدد ہے۔

بے کسے شد دین احمدؐ ہیچ خویش و یار نیست

ہر کسے با کار خود با دین احمدؐ کار نیست

ہر طرف سیلِ ضلالت صد ہزاراں تن ربود
حیف بر چشمے کہ اکنوں نیز ہم ہشیار نیست

اے خداوندان نعمت ایں چنیں غفلت چراست
بے خود از خواب اید یا خود بخت دیں بیدار نیست

اے مسلماناں خدارا یک نظر بر حالِ دیں
آنچہ مے بینم بلا ہا حاجتِ اظہار نیست

آتش افتاد است در رختش بخیزید اے یلاں
دیدنش از دور کارِ مردم دیندار نیست

خونِ دیں بینم رواں چوں کشتگان کربلا
اے عجب ایں مردماں را مہر آں دلدار نیست

اندریں وقتِ مصیبت چارہ ما بیکساں
جز دعائے بامداد و گریہ اسحار نیست

اے خدا ہرگز مکن شاد آں دلِ تاریک را
آں کہ او را فکرِ دینِ احمدؐ مختار نیست

بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں مگر نہ وقت اجازت دیتا ہے اور نہ اس داستانِ غم کو دراز کرنے کی قوت ہے۔ میں آخر میں یہ کہکر ختم کر دیتا ہوں کہ میں ایک بار اور آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے نہایت سکون اور صبر کے ساتھ میری تقریر کو سُنا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق دے۔ توفیق دے کہ ہم وقت کو شناخت کریں اور خدا تعالیٰ کی رضا کی راہوں پر چلنے کے لیئے اُسی سے توفیق چاہیں۔

میں ایک اور امر کا اظہار کرنا بے محل نہیں سمجھتا کہ میں نے اپنے بعض دوستوں کے ایماء سے ارادہ کیا ہے کہ ان کو قرآن مجید سناؤں۔ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو دوشنبہ کو بعد نماز مغرب میں شروع کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں آپ میں سے جس کو اللہ تعالیٰ توفیق دے وہ اس میں شریک ہو سکتا ہے یہ درس الہ دین بلڈنگز میں انشاء اللہ تعالیٰ ہوا کرے گا۔ میں تعلیم یافتہ اور علوم جدیدہ سے بہرہ ور احباب اور طالب علموں سے خصوصاً درخواست کرتا ہوں کہ اگر وہ اپنے وقت کا کچھ حصہ اس نیک کام میں دیں گے تو انہیں انشاء اللہ معلوم ہوگا کہ قرآن مجید کس شان و عظمت کا کلام ہے ایسے احباب کو جو شریک ہونا چاہیں وہ قرآن مجید ساتھ لائیں۔ اور نوٹ بک بھی رکھیں تو زیادہ مفید ہوگا۔

یاد آئیں گے تمھیں میرے سخن میرے بعد

عنوان بالا کے الفاظ اس مقدس راستباز انسان کے مُنہ سے آج سے قریباً ۳۲ پیشتر نکلے تھے جو خدا کی طرف سے مامور و مرسل ہو کر اسلام کے احیاء و اشاعت کیلئے مسیح موعودؑ اور مہدی معہود کے نام سے آیا تھا۔ تھوڑے تھے جنھوں نے اسے قبول کیا اور بہت تھے جنھوں نے رد کیا مگر آج جو کل تھوڑے تھے بہت ہو رہے ہیں اور جو کل بہت تھے آج کم ہو رہے ہیں۔ اور پھر ایک وقت آنے والا ہے جبکہ مغربی قومیں بھی نیاز مندی کے ساتھ اسکے سلسلہ میں داخل ہو کر

حلقہ بگوش اسلام ہوں گی۔

سلسلہ عالیہ احمدیہ کے اکثر مخالفین کو دیکھا ہے کہ وہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصنیفات کی خوشہ چینی کرتے اور نام نہیں لیتے ہیں۔ ابھی ابھی "انقلاب زمانہ" کلکتہ کے ایک اخبار میں "اسلامی اتحاد کے لیئے زبردست احتجاج" کے عنوان سے ایک آرٹکل نکلا ہے اسکے ضمن میں فتنہ ارتداد پر اظہار خیالات کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

فتنۂ ارتداد

"مسلمانوں کی غفلت و تکاسل نے دشمنان دین کو اسقدر دلیر بنا دیا کہ کفر آج اسلام کو چیلنج دینے کے لیئے کھڑا ہوا ہے جو فتنہ ارتداد کی صورت میں نظر آرہا ہے۔ سنتے آتے تھے کہ تاریخ اپنے گذشتہ واقعات کو دُہراتی ہے۔ لیکن ہندوستان کی تاریخ بیسویں صدی میں ایک نیا واقعہ پیش کرنیکو آمادہ ہے۔ جب سے اسلام کا دور دورہ شروع ہوا آج تک کوئی تاریخ یہ مثال پیش نہیں کر سکتی کہ مسلمان خدا کو چھوڑ کر بتوں کے سامنے سجدہ کرنے کو مجبور کیئے گئے ہوں۔ اگرچہ معلوم ہے کہ ڈوئی جیسے یورپین خود ساختہ پیغمبر نے ۱۴ فروری ۱۹۰۳ء کو مسلمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ

"خدا وہ دن جلد لانے والا ہے کہ ہلال سرنگوں ہوگا اور اسلام کی تباہی ہوگی۔" پھر جنوری ۱۹۰۵ء میں یہ اعلان شائع کیا تھا کہ "میں ہر چہار دانگ عالم کے مسلمانوں کو صلیب کے سامنے تسلیم کرنے پر مجبور کروں گا اور وہ عنقریب ہے کہ مسلمانوں کی ہستی نیستی سے بدل جائیگی"

لیکن اسکی سرکشی اور اسلام کی شان میں گستاخی کا معاوضہ خدا نے یوں لیا کہ اس اعلان کے دو برس کے اندر اندر اسکی کل شان و شوکت۔ مال و دولت بات کی بات میں جاتی رہی اور اپنے مذہب کے ساتھ آپ بھی دیوانہ ہو کر ہمیشہ کے لیئے عالم وجود سے رخصت ہو گیا۔ تو پھر خدا کی شان سے کیا بعید ہے کہ اپنے قرآن کریم کے دشمنوں کو کچھ اس سے بھی بُرا نتیجہ دکھا دے۔ اور دنیا کو جتلا دے کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جسپر دنیا کی پوری آبادی کو پیرو ہوئے بغیر چین نہیں۔"

ناظرین الحکم سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ پہلوان ربِ جلیل جس کے ہاتھ پر بیسویں صدی کا یہ معجزہ ظاہر ہوا اور جسنے اسلام کا بول بالا کیا وہی تھا جو

مسیح موعودؑ ہو کر آیا

مگر اس سے بڑھ کر احسان فراموشی کا کیا ثبوت ہوگا کہ اس واقعہ کو لکھتے ہوئے اس حق کا اخفا کرنے میں کسقدر دلیری سے کام لیا گیا ہے کہ ڈوئی کے اس چیلنج پر خدا کے برگزیدہ بندہ نے اسکو دعاء کے مقابلہ کے لیئے بلایا اور آخر ڈوئی اس مقابلہ میں نکلنے کی جُرأت نہ کر سکا تو پیشگوئی کے موافق ہلاک ہوا۔ جسطرح یہ اسلام کی فتح عظیم ڈوئی کے مقابلہ میں سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ذریعہ ہوئی آیندہ بھی اسلام کا غلبہ اسی طور سے مقدر ہے مبارک وہ جو ایمان لائے۔

حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ کی زندگی سے ایک سبق

ایڈیٹر الحکم جب سکندر آباد دکن میں تھا تو ۱۳۴۱ھ کے محرم میں سکندر آباد کی انجمن رفاہ عام نے اس سے خواہش کی کہ وہ محرم کی تقریب پر ایک لیکچر دے چنانچہ وہاں کے اسلامیہ ہائی سکول میں ایک مجمع کثیر کے سامنے ایڈیٹر الحکم نے عنوان بالا پر ایک لیکچر دیا جسے اب ۱۳۴۲ھ کے محرم ہیں میں الحکم کے ذریعہ شائع کر دیتا ہوں۔

میں نے اپنے لیکچر کو حسب معمول تشہد کے بعد گورنمنٹ کے ان برکات کے تذکرہ سے شروع کیا جو مذہبی آزادی کے متعلق اسنے دے رکھی ہیں ضرورت نہیں کہ یہاں انکو بالتفصیل لکھوں۔ اسلیئے نفس مضمون کو درج کرتا ہوں۔ مضمون فرقان حمید کی آیت وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ پڑھ کر شروع کیا گیا۔ اڈیٹر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

میرا مضمون کیا ہے — آج جس مضمون پر میں تقریر کروں گا وہ حضرت سید الشہداء کی زندگی سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے کے مضمون پر ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ توجہ سے سنیں گے

سپیکروں اور سننے والوں کے اقسام۔ (الف) دنیاوی مقرر جنکی غرض سیاسی یا پولیٹکل مضامین پر تقریر کرنا ہوتا ہے خواہ ان تقریروں سے ان کے ذاتی اغراض وابستہ ہوں یا پبلک کے۔ ان کی غایت اور مقصود دنیا ہوتی ہے اور اسی مرکز پر وہ اہل دنیا کا دائرہ کھینچنا چاہتے ہیں۔ میں سیاسی یا پولیٹکل مقرر نہیں اسلیئے کہ میں انسان کی پیدائش کی غرض وغایت مادی ترقی نہیں سمجھتا۔ بلکہ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ پر یقین کرتا ہوں۔

پھر ان مقرروں کی دو قسمیں ہیں یا تو مادی مفاد حاصل کرنا یا محض حاضرین کو خوش کرنا اور ان سے داد اور خراج تحسین حاصل کرنا۔

(ب) دینی مقرر ان کی بھی دو قسم ہیں۔ ایک حاضرین کو خوش کرنا اور دنیا کمانا۔ دوم۔ جو محض اسلیئے کھڑے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جو فرض ان پر ہے اسے ادا کریں ان کو خیر الامتہ میں شریک ہونیکی خواہش ہوتی ہے جو کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ میں بیان کی گئی ہے اسلیئے وہ امر معروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہتے ہیں یہ مقصود نہیں ہوتا کہ لوگ تقریر کو سنکر داد دیں گے یا نہیں۔ میں بھی یہی آرزو رکھتا ہوں اور مولیٰ کریم سے چاہتا ہوں کہ اخلاص عطا فرماوے۔

ج۔ اسی طرح سننے والوں کی بھی دو قسم ہیں۔ ایک وہ جو محض اللہ کے لئے سنتے ہیں اور ان کی غرض اپنی اصلاح ہوتی ہے دوسرے محض اسکو ایک شغل سمجھ کر سنتے ہیں اور بولنے والے کی قابلیت طرز کلام اور قوت بیان کے مد و جزر پر ان کی نظر ہوتی ہے اور بس۔

پس قبل اسکے کہ میں اپنے مقررہ مضمون پر اللہ کے فضل اور رحم سے تقریر کروں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اپنی نیّات کو دیکھیں کہ اس جلسہ میں کیوں آئے ہو؟ میں اپنی نیت اور قلب کو ٹٹولتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ درد مند دل لے کر کھڑا ہوا ہوں۔

اگر آپ مجھ سے یہ توقع کرتے ہیں کہ میں فصاحت و قادر الکلامی کا نمونہ دکھاؤں گا تو آپ کو ابھی سے مایوس ہو جانا چاہیئے لیکن اگر

افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

صحیح ہے تو میری تقریر اس تقریب کے حسب حال ایسی ہی کیفیت پیدا کرے تو ممکن

پس نیت کو صاف کرنا مقدم ہے اسلیئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ اور دنیا کی تمام مدبر قوموں نے قوانین میں نیت کو مقدم کیا ہے

(د) ایک اور امر کا اظہار بھی ضروری ہے۔ انسان جذبات اور حسیات کا مرکز ہے سائیکولوجی یا نفسیات کے ماہرین نے عجیب عجیب بحثیں کی ہیں میں ان میں لے جانا نہیں چاہتا۔ صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ کان کے ذریعہ جو کیفیات اسکے قلب اور دماغ پر اثر ڈالتی ہیں بعض اوقات وہ اسپر وجد کی کیفیت پیدا کر دیتی ہیں اور یہی سر ہے کہ بعض اوقات انسان کسی مقرر کی تقریر کو سنتا ہے اور بعض حصص پر اس میں وہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ بے اختیار ہو کر زبان اور ہاتھ سے اسکا اظہار کرتا ہے ہیر ہیر کی آوازیں بلند کرتا اور تالیوں سے ہال کو گونجا دیتا ہے۔

یہ کیفیت اضطراری ہوتی ہے اسکے اختیار سے باہر لیکن اسلام جسنے دنیا کو ہر جذبہ کے اظہار کا بہترین طریق دیا ہے وہ ہمکو جائز نہیں رکھتا کہ تالیاں بجائی جائیں۔ اگر اس کیفیت کے اظہار کے لیئے اسلام کوئی اصول تعلیم نہ کرتا تو یقیناً اس حصہ میں نقص ہوتا مگر چونکہ اسلام دنیا کو اس گم شدہ رشتہ کے مضبوط کرنے کے لیئے آیا ہے جو

الوہیت اور عبودیت کے درمیان ہے اسلیئے

(۵) ہر معاملہ میں ایک ایسی تعلیم دیتا ہے جو قرب الٰہی کا ذریعہ ہو۔ میں ایک مثال دیتا ہوں۔ پاخانہ جانے کی دعا اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔ مادیات سے روحانیات کی طرف لے جاتا ہے

پس اظہار مسرت کے لیئے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ کے کلمات ہیں یا جَزَاكَ اللّٰهُ کہا جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہے اسلیئے کہ آپ دنیا کے عظیم الشان محسن ہیں اور محسن کی شکر گزاری ہر شریف انسان کی فطرتی غرض ہے۔

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ

اگرچہ مجھے یقین نہیں کہ میری تقریر آپ کے اندر ایسی کیفیات پیدا کر سکے لیکن اگر بفرض محال ہو تو میری درخواست ہے کہ اسکا اظہار ہاتھ کی تالیوں سے نہ کیا جاوے۔ اپنے دلوں میں سبحان اللہ یا درود شریف پڑھیں۔ اسکا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ کو قویٰ پر کنٹرول کی قوت پیدا ہو جاویگی۔ جو آج کے مضمون کا ایک عظیم الشان سبق ہے جیسا کہ آگے چل کر بیان کروں گا انشاء اللہ العزیز۔

اور اسلام کی تعلیم کا مرکزی نقطہ یہی ہے کہ وہ ضبط علی النفس اور قویٰ پر حکومت کی قدرت عطا کرتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو تمام اخلاق کا چشمہ اور تمام روحانی ترقیات کا ذریعہ ہے مجھے اگر اندیشہ نہ ہوتا کہ اس مضمون پر بولنے سے میں نفس مضمون سے دور چلا جاؤں گا تو میں بتاتا کہ کس طرح پر اسلام یہ قوت ہمارے قویٰ میں پیدا کر سکتا ہے تاکہ ہمکو کامل حکومت اپنے جذبات نفس پر پیدا ہو جاوے

ان ابتدائی امور کے بیان کے بعد میں نفس مضمون پر آتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ

حضرت سید الشہداء شہید کربلا کی زندگی ہمیں کیا سبق دیتی ہے؟

(و) شہید کربلا کی زندگی کا آخری واقعہ ایک غیر فانی یادگار ہے جسپر زمانوں اور صدیوں کا زبردست ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ عشرہ محرم کے ایام اسلامی دنیا میں ایک لازوال اور مبارک یادگار ہیں ان زندہ جاوید شہدائے عظام کی جنھوں نے میدان کربلا میں اپنی اولوالعزمی۔ شجاعت حق پژوہی اور استقامت اور رضا بالقضاء کا ثبوت دیا۔ جنھوں نے حقانیت اور صداقت کی حمایت میں اپنی گرانبہا جانوں کا قربان کر دینا آسان اور بالکل آسان سمجھا اور رضاء الٰہی کو اپنی زندگی کا بہترین فیصلہ اور مقصد یقین کیا اور اپنے طرز عمل سے دکھا دیا کہ دنیا کی کوئی طاقت اور قوت حق کو زیر نہیں کر سکتی۔ بظاہر دشمن کے جان ستاں تیروں نے انہیں موت کے گھاٹ سے اُتار دیا مگر انکی موت ایسی موت ہے کہ اسپر لاانتہا زندگیاں قربان ہیں اور حقیقت میں وہ موت نہیں بلکہ غیر فانی اور ابدی حیات ہے وہ موت کیسی شریف اور مبارک ہے جو حقیقی زندگی کا وارث کر دے۔

(ز) قبل ازیں کہ واقعات شہادۃ کا غیر فانی سبق آپ کے سامنے پیش کروں میں بتانا چاہتا ہوں کہ شہادۃ کیا چیز ہے؟ اور شہید کس کو کہتے ہیں۔

(ح) قرآن کریم نے سورۃ الفاتحہ میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ دعا تعلیم

اور خود قرآن مجید نے ہی اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی تفسیر کی ہے۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ج وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ہ ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰہِ ط وَکَفٰی بِاللّٰہِ عَلِیْمًا ہ

یہ دعاء کمالات۔ معرفت اور محبت الٰہی کی دعا ہے اور اسکے چار درجے ہیں۔ جن میں سے شہید ایک ہے۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو مسلمان کسی جنگ میں قتل ہو جاوے وہ شہید ہوتا ہے یا دین کے لیئے قتل کیا جاوے۔ کچھ شک نہیں کہ ایسا شخص جو محض خدا کی رضاء کے لیئے کسی دشمن اسلام کے ہاتھ سے قتل ہو ایک قسم کا شہید ہوتا ہے۔ اور بھی کئی قسم کے شہیدوں کا ذکر احادیث میں آتا ہے جو اپنی موت کی نوعیت کی وجہ سے شہید کہلاتے ہیں۔ مگر شہید کی اصل حقیقت یہ ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ پر ایمان اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ایسا کامل ہو جاوے کہ گویا وہ خدا کو دیکھ لیتا ہے تب شہید کہلاتا ہے اور یہ حالت وہ ہے کہ اسمیں دنیا کی کوئی مصیبت کوئی تکلیف حتی کہ جان دینا بھی اسکو اس مقام سے جنبش نہیں دے سکتا۔ اور وہ تکلیف اور اذیت اسکے لیئے مدرک الحلاوۃ ہو جاتی ہے پس یہ مقام شہادت ہے۔ آجکل اس اصطلاح شرعی کی وہ تذلیل کی گئی ہے دیکھ کر افسوس ہوتا ہے اور رونا آتا ہے ہر کس و ناکس پر اس لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں جہاں ان مدارج اربعہ کا ذکر فرمایا ہے وہاں مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ کی قید لگائی ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی کامل اتباع اور اطاعت کی تعلیم دی ہے۔ غرض شہید کا لفظ اس اعلیٰ مقام کا اظہار کرتا ہے جہاں انسان اللہ تعالیٰ کی محبت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت میں محو اور فنا ہو کر ایک ایسی زندگی پاتا ہے جو موت اور صدمات کے اثر سے بالاتر ہوتی ہے۔

اور شہید کربلا کو یہی زندگی ملی تھی۔ وہ محض اسلیئے شہید نہ تھے کہ ایک دشمن اسلام کے ہاتھ سے مارے گئے بلکہ حقیقتاً وہ اس مقام پر پہنچے ہوئے تھے جو شہید کا مقام ہے۔ اور جہاں سے وہ روشنی کے ایک منار کی طرح یہ کہہ رہے تھے کہ انسان ایمان کے اس عالی مقام پر پہنچ جاوے جہاں دنیا کی تکالیف اور لذات بے اثر محض ہوتی ہیں اور انسان خدا ہی میں زندہ ہوتا ہے اور اسی کی محبت میں فنا ہوتا ہے۔

(۹) شہید کی حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد اس امر پر غور کرنیکی ضرورت ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا کیا قصور اور خطا تھی کہ ان کو کربلا کے میدان میں اسطرح بیکسی کی حالت میں شہید کیا گیا۔

اس موقعہ پر جن لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ یہ خلافت کے لیئے جنگ تھی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حکومت چاہتے تھے نعوذ باللہ انھوں نے سید الشہداء کے مقام اور مرتبہ کو قطعاً نہیں سمجھا۔ میں اس جگہ کوئی لمبی تقریر نہ کرونگا۔ اگر خلافت کی (جو اسوقت محض حکومت تھی خلافت راشدہ نہ تھی) خواہش ہوتی تو یہ تو وہی چیز تھی جسکو خود حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ترک کر دیا تھا۔

حضرت امام حسین حکومت کے باغی۔ تھے وہ ایک امن پسند شہری کی طرح اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن ان کو یزید کی بیعت پر مجبور کیا جا رہا تھا۔ اور یزید کو خود اپنی بد اعمالیوں اور سیاسی وجوہات کی بناء پر اندر ہی اندر خطرہ تھا کہ ممکن ہے کسی وقت حضرت امام حسین خلافت پر مامور کیئے جاویں اور بیعت کے بعد یہ ناممکن تھا کہ وہ خلاف عہد کر سکتے۔ لیکن بالمقابل حضرت امام حسین یزید کو اس کے فسق و فجور کی وجہ سے احق بالامانۃ و خلافت نہیں سمجھتے تھے۔ اور دنیا میں یہ نظیر باقی نہ رہنے دینا چاہتے تھے کہ ایک فاسق فاجر انسان خلافت راشدہ حقہ کا حقدار سمجھا جا سکتا ہے یا یہ کوئی موروثی عہدہ ہو سکتا ہے اسلیئے کہ اس سے نفس خلافت راشدہ کی توہین اور تذلیل تھی۔ پس انھوں نے مردانہ وار اس سے انکار کیا اور

سر داد مگر دست بدست یزید نہ داد

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا یہ عقیدہ نفس کی ملونی سے بالکل پاک تھا ذاتی اغراض اس سے قطعاً وابستہ نہ تھے بلکہ وہ خلافت حقہ راشدہ کے لیئے ایمان اور اعمال صالحہ کو لازمی سمجھتے تھے۔ اسلیئے کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ یہی ہے جو آیت استخلاف میں ہے۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ۔

ایک نکتہ قابل غور } دیکھو خلافت کا وعدہ اس آیت میں ہے اور اس میں مومن اور اعمال صالحہ کی قید ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت راشدہ خلافت موعودہ مومنین اور صالحین کا حق ہے لیکن جہاں محض حکومت یا سلطنت کا ذکر ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے یہ شرط نہیں لگائی۔ چنانچہ فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ اے خدا سارے ملک کا مالک تو ہی ہے جسکو چاہے سلطنت دے اور تو ہی جس سے چاہے سلطنت چھین لے۔

اگرچہ عطائے سلطنت اور عزل سلطنت کے بھی اسباب اور وجوہ ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسکا عطاء اور انتزاع عام کر دیا ہے۔ اور یہ لازمی اور ضروری نہیں کہ بادشاہ مومن اور اعمال صالحہ ہی بجا لانے والا ہو۔ پس دنیا کی سلطنتوں پر علم نظر کرنے سے بھی قرآن کریم کی اس صداقت کا ایک واقعاتی ثبوت ملتا ہے۔

خلافت حقہ راشدہ ایک ایسی چیز ہے کہ وہ مومن اور صالح کے سوا کسیکو نہیں دی جاتی اسلیئے کہ وہ ایک روحانی سلطنت ہے۔ میری غرض اس مضمون پر تقریر کرنا نہیں یہ بجائے خود ایک مستقل مضمون ہے۔

حضرت امام حسین کو بیعت سے اسی لیئے انکار تھا کہ وہ یزید کو مومن اور مصلح یقین نہ کرتے تھے اور یہ امر واقعہ ہے۔ پس پہلا سبق جو سید الشہداء کی زندگی سے ہم کو ملتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو خود ایک مومن کامل اور اعمال صالحہ کا پابند ہونا چاہیئے۔

(۱۰) ایمان اور اعمال صالحہ کا تعلق۔ مومن دوسروں کو امن دینے والا اور آپ امن پانے والا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا نام اَلْمُؤْمِنُ اسلیئے ہے کہ وہ امن کا چشمہ ہے اور امن کا عطا کرنے والا ہے۔

انسان جب خدا تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے تو اس ایمان کا ثمرہ یہ ہے کہ وہ خود امن میں ہو جاتا ہے۔ اور پھر اسکی یہ صفت متعدی ہو جاتی ہے اور دوسروں کے امن کا ذریعہ ہوتا ہے یہ امن وہ کس طرح پاتا ہے اور دوسرے اس سے کس طرح امن پاتے ہیں۔ یہ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ اعمال صالحہ سے مراد وہ اعمال ہیں جنمیں کسی قسم کا فساد اور خلل نہ ہو۔ کیونکہ صالح فساد کی ضد ہے۔ پس اعمال صالحہ بجا لانے والا مومن نہ صرف اپنے اعمال میں کسی قسم کا فساد نہیں پاتا بلکہ ان اعمال سے بھی کسی قسم کا فساد ظاہر نہیں ہوتا مفسد خدا کا محبوب نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے مجرد ایمان کا ذکر نہیں کیا جہاں جہاں قرآن مجید میں ایمان کی بحث کی ہے اسکے ساتھ اعمال صالحہ کی قید ضرور لگائی ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ہی فرمایا ہے۔ اسلیئے کہ

ایمان بدون اعمال صالحہ مردہ بیج کی طرح ہے

پس حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی سیرت اور زندگی کا پہلا سبق یہ ہے کہ وہ مومن اور مصلح ہونے کی تعلیم دیتی ہے جب انسان خود اس مقام کو حاصل کر لیتا ہے تو پھر وہ خوف اور حزن کے مقام سے نکل جاتا ہے۔ اور اسمیں حقیقت اسلام پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ خود قرآن مجید فرماتا ہے

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ الآیۃ

اس آیت میں محسن کا جو لفظ آیا ہے یہ بھی شہید کی حقیقت کو اپنے اندر رکھتا ہے اسلیئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کے معنے خود بیان فرمائے ہیں کہ گویا انسان خدا کو مشاہدہ کرے دیکھ لے اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ایمان ایسا ہو کہ خدا اسکو دیکھتا ہے۔ جب یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو انسان کے اعمال میں کوئی ملونی اور کسی قسم کا فساد نہیں رہتا۔ اور اسی لیئے وہ ہر قسم کے خوف و حزن سے محفوظ ہو جاتا ہے اور وہ امن اور سلامتی جو ایمان اور اسلام کی روح ہے اسکے ہر فعل سے نمایاں ہونے لگتی ہے۔ یہ حقیقت دو باتوں سے پیدا ہوتی ہے۔

اول اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری جس کا نتیجہ دائماً مخلوق خدا کی خدمت گذاری اور بنی نوع انسان کی بھلائی ہوتا ہے۔ یہ فرمانبرداری نفس انسانی کا اپنا کمال ہوتا ہے اور مخلوق خدا کی خدمت گذاری دوسروں کی تکمیل میں معاون ہوتی ہے۔ اور اسلام کے پاک کامل مذہب کے یہ دو عظیم الشان ستون ہیں۔ اسکو دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاتا ہے کہ ایمان کے دو بڑے شعبے ہیں

تعظیم لامر اللہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ

خوف اور حزن کی نفی ایک ایسی قوت ہے جس سے انسان تمام اخلاق رذیلہ سے محفوظ ہو جاتا ہے اور تمام فضائل

اور مکارم اخلاق کو پالیتا ہے +

مجکو افسوس ہے کہ میری اس تقریر میں قریبًا تھوڑے تھوڑے وقفہ سے کوئی نہ کوئی ایسا جملہ آجاتا ہے جو مبسوط بحث چاہتا ہے اور خود میرا قلب قرآن مجید کی تعلیم کی اس بلند پروازی پر قربان ہوتا اور جوش مارتا ہے کہ میں اس محبوب کے حسن و جمال اور اس تعلیم کے کمالات کو موجودہ نفسیات کے اصولوں کو لے کر دکھاؤں مگر

چساں در شیشہ ساعت کنم ریگ بیاباں را کا مضمون ہے

حضرت سید الشہداء کے اس رفیع الشان مقام پر پہنچنے کا زبردست ثبوت یہی ہے کہ دشمن کی قوت اور کثرت اور اپنی بیکسی اور درماندگی کا کوئی اثر آپ کے قلب اطہر پر پایا نہیں جاتا۔ اسلیئے کہ کوئی خوف آپ کی طبیعت پر پایا نہیں جاتا۔ اسلیئے کہ کوئی خوف آپ کی طبیعت پر ہوتا تو آپ اس مقابلہ سے جو حقیقت میں صداقت اور فسق کا مقابلہ تھا بچ نکلنے کی کوشش کرتے۔ اور آپ کو اسکے لیئے کسی خاص تدبیر کی ضرورت نہیں تھی بلکہ جب آپ مدینہ سے روانہ ہوئے تو کربلا تک پہنچتے پہنچتے متعدد مرتبہ آپ کو مشورہ دیا گیا کہ واپس ہو جائیں مگر آپ جس عزم مقبلانہ کے ساتھ روانہ ہوئے تھے اُس نے پیچھے ہٹنے کے جذبہ ہی کو سلب کر دیا تھا اس عزم اور استقلال کے لیئے خدا تعالیٰ نے ایک اصول تعلیم فرمایا ہے اور وہ اس آیت میں ہے جو ابھی میں نے اس مقصد کے لیئے پڑھی تھی کہ شہید مُردہ نہیں بلکہ زندہ ہوتا ہے اور میں پھر اسکی تلاوت کرتا ہوں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝

ان آیات میں سید الشہداء کی زندگی کی ایک کیفیت کا نقشہ کھینچا گیا ہے + اور یہی وہ تعلیم ہے جو آپ کی زندگی میں ہمیں ملتی ہے۔ اسلیئے میں اسکو کسی قدر تفصیل سے بیان کروں گا۔

خدا کی معیت دیکھو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صابرین کے ساتھ اپنی معیت کا وعدہ دیا ہے اور خدا تعالیٰ کی معیت ایک ایسی آگ ہے جو خوف و حزن کے تمام خس و خاشاک کو بھسم کر دیتی ہے۔ یہ میرا خیالی فلسفہ نہیں بلکہ قرآن مجید اس کا دعویٰ کرتا ہے اور واقعات اسکی تصدیق کرتے ہیں +

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کفار مکہ کے شدائد اور تکلیفات کا نشانہ ہو رہے تھے تو اللہ تعالیٰ کی وحی سے ہجرت کرنے پر مامور ہوئے اور آپ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو لے کر مکہ سے نکل پڑے جسوقت آپ غار میں تھے اور دشمن تعاقب میں عین موقعہ پر پہونچ گیا۔ تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس اندیشہ کا اظہار کیا جو اسوقت ہو رہا تھا۔

اس مصیبت و مشکل کی ساعت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا وحی ہوئی +

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا

اس وحی نے بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی معیت جب ہو تو حزن باقی نہیں رہ سکتا +

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ارفع پر غور کرو۔ اور حضرت موسیٰ عمران علیہ السلام سے مقابلہ کر کے دیکھو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو لیکر نکلتے ہیں وہ ایک جماعت کثیر ہے جب فرعونی لشکر اُن کے پیچھے آگیا تو اس جماعت نے بھی خوف اور خطرہ کا اظہار إِنَّا لَمُدْرَكُونَ کہہ کر کیا ہے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام جماعت کی حالت اور کمزوری کا احساس کر کے کہتے ہیں إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ گھبراؤ نہیں میرا رب میرے ساتھ ہے۔ وہ اس معیت ربی کو اپنی قوم کے ساتھ نہیں بتلاتے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی اور کمال کو ملاحظہ کرو کہ اس ربانی معیت کے رنگ میں نہ صرف خود بلکہ اپنے خادم و جاں نثار صدیق کو بھی پورا رنگین کر دیا ہے۔ ایک اور بھی فرق ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام إِنَّ مَعِيَ رَبِّي بولتے ہیں اور رب اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جو تدریجًا تکمیل تک پہنچاتی ہے۔ اور اللّٰہ تو اسم اعظم ہے اور جلالی شان رکھتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس جلالی شان کا اظہار کیا ہے چنانچہ واقعات نے بتایا کہ کس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف محفوظ رہے بلکہ اس معیت الٰہی نے آپ کو وہ عظیم الشان شوکت اور جلال عطا فرمایا کہ آج بھی بہت سے سلاطین آپ کا نام لینے پر ادب و احترام کے ساتھ اپنے تخت حکومت سے نیچے اتر آتے ہیں اور آپ کی اُمت میں ہونے کے فخر پر ہر نعمت اور ہر دولت کی قربانی آسان سمجھتے ہیں +

غرض

صابرین کو معیت الٰہی کیونکر ملتی ہے اسکے لیئے فرمایا تین چیزیں ہیں اول مومن ہو پھر وہ صبر و صلوٰۃ سے استعانت کریں صبر کیا ہے طاعت پر قائم رہنے اور معصیت سے رُکے رہنے کا نام صبر ہے مصیبت میں استقلال اور جنگ میں ثبات قدم کا نام ہے۔ روزہ کو بھی صبر کہا ہے +

تو معلوم ہوا صبر دو قسم کا ہے ایک حرام اور گناہ کی چیزوں کا ترک کرنا دوم طاعات اور قربانیوں کا بجالانا اور یہاں یہی صبر مراد ہے کیونکہ صبر کی یہ دوسری قسم دراصل نتیجہ ہوتا ہے پہلی قسم کا جب انسان گناہوں اور حرام چیزوں سے رُکتا ہے تب اُسکو ایک استقلال اور عزم کی قوت دی جاتی ہے جو وہ ہر قسم کی قربانی اور نیکی کے لیئے طیار ہو جاتا ہے صلوٰۃ اور صبر کا مفہوم دو ضدوں کو ظاہر کرنے والا ہے۔ صبر کمال درجہ کی مضبوطی کا نام ہے یہانتک کہ انسان کسی مشکل اور روک سے نہ ڈرے نہ پروا کرے اور صلوٰۃ کمال کی عاجزی کا نام ہے یہانتک کہ انسان اپنے مولیٰ کے سامنے گر جاوے۔ صبر اُس علو کے مقام کو ظاہر کرتا ہے جو انسان کل دنیا کے مقابلہ پر اختیار کر سکتا ہے۔ صلوٰۃ اُس انتہائی عاجزی کے مقام کو ظاہر کرتی ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اختیار کرنا چاہیئے۔ ان دونو صفات کے جمع کرنے سے ہی انسانی کمال کو حاصل کر سکتا ہے یعنی دنیا اور دنیا کی مشکلات کے سامنے علو اور مضبوطی دکھلائے اور اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی +

عاجزی اور توجہ الی اللہ سے اسکے سامنے راہیں کھلجاتی ہیں مضبوطی اختیار کر کے اُن راہوں پر چل سکتا ہے اگر راہ ہی نہ کھلے تو مضبوطی کس کام اگر راہ کھل جائے اور صدق و ثبات نہ ہو تو راہ کھلنے سے کیا فائدہ اسلیئے نہ خالی صبر کمال انسانی تک پہنچاتا ہے نہ نری صلوٰۃ (نکتہ)

اب سید الشہداء کی زندگی پر نظر کرو عین میدان جنگ میں استعانت بالصبر اور استعانت بالصلوٰۃ کا آپ ایک پیکر ہیں میدان جنگ کی مشکلات اور خطرات کا پورا اندازہ ہر شخص نہیں کر سکتا ہے کہ

میدان جنگ زندگی اور موت کا سوال ہوتا ہے

اور ذرا سی بے پروائی اور بے احتیاطی انسان پر خطرناک مصائب اور مشکلات کو لے آتی ہے۔ لیکن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا کے میدان میں دیکھو۔ کہ دشمن کے سوا دوست کوئی نظر نہیں آتا۔ ایک مٹھی بھر جماعت آپ کے ساتھ ہے جس میں عورتیں۔ بچے ہیں۔ اور دشمن اپنی تمام طاقت اور قوت کی نمایش کے لیئے اپنے مقابل فریق کا نہیں بلکہ صداقت کے الفاظ میں

نیکی اور صداقت کا خاتمہ کر دینے کو آیا ہے

اس حالت میں جو بیکسی اور بے کسی کی انتہائی حالت ہے جہاں بڑے سے بڑے دلیر اور قوی ہمت انسان کی طبیعت بھی پست ہو جاتی ہے یہ نیکی اور صداقت کا کوہ وقار انسان نہ تو ثبات قدم کو ہاتھ سے دیتا ہے اور نہ استعانۃ بالصلوٰۃ کو کوئی تاریخ دشمن سے دشمن راوی کی کوئی روایت بھی نہیں بتا سکتی کہ اس حالت میں

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کوئی نماز قضاء کی ہو

(نکتہ)

اس مقام پر استعانت کے لیئے دو چیزوں کا ذکر فرمایا تھا صبر اور صلوٰۃ لیکن آخر میں فرمایا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ اور صلوٰۃ کے ذکر کو چھوڑ دیا۔

قرآن مجید کے پانچویں رکوع میں بنی اسرائیل کو یہی ہدایت کی تھی کہ صبر و صلوٰۃ سے مدد چاہو اور وہاں صبر کا ذکر چھوڑ کر نماز کے ذکر کو جاری رکھا تھا فرمایا وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ۔ مگر یہاں صبر کے ذکر کو جاری رکھا یہ کیوں؟ قرآن مجید ایک پُرحکمت و معارف کتاب ہے جنھوں نے کہا کہ ذو الوجوہ ہے وہ غلطی کرتے ہیں دراصل وہ ذو المعانی ہے

ہے۔ جہاں نمانہ کے ذکر کو جاری رکھا وہاں بنی اسرائیل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوۃ کی جا رہی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت کا گر بتایا جا رہا تھا۔ اور یہ امر دعاؤں سے حاصل ہوتا ہے جس جس قدر انسان **توجہ الی اللہ** کرتا ہے اسی قدر **صداقت** اور **حقیقت** اس پر واضح ہوتی ہے اور یہاں اس مقام پر **استقلال** اور **ثابت قدمی** کی تعلیم دینا مقصود ہے۔ اور کامیابیوں کے لیئے اور ابتلاؤں میں اسکی زیادہ ضرورت ہے کہ **انسان** ایسا ثابت قدم ہو کہ کسی مخالفت اور روک کی اسے پروانہ ہو تمام دنیا بھی خلاف ہو تو ایک مضبوط پہاڑ کی طرح نہ ہلے۔ اور چونکہ اس **کوہ وقاری** سے کبر کا پیدا ہونا ممکن تھا اسلیئے ساتھ **نماز** کو رکھا کہ باوجود اس استقلال اور **عقد ہمت** کے وہ اسقدر عاجز ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور گرا رہے اور اپنے آپ کو ہیچ سمجھے جب انسانوں کے سامنے حد درجہ کی مضبوطی اور خدا کے حضور انتہائی عاجزی ہو تو یہی کامیابی کا مقام ہے۔

کیا قوت اور **کیا حوصلہ** ہے اس عالی شان **انسان** کا۔ اور کسقدر تعلق قرب الٰہی کا ہے کہ تیروں اور تلواروں کے سایہ میں بھی وہ چیز جسکو **معراج المؤمنین** کہا گیا ہے چھوٹ نہیں سکتی!!!

تم غور کرو اور اپنے قلوب کا مطالعہ کرو گریبانوں میں منہ ڈال کر اپنے نفس کا محاسبہ کرو۔ کہ معمولی سی معمولی تکلیف اور **مصروفیت** تو درکنار محض **بیکاری** اور کھیل کود یا تفریح کے مشاغل بھی اس پابندی سے روک دیتے ہیں۔

کیا یہ معمولی **سبق** ہے جو **سید الشہداء** کی زندگی سے ہمیں ملتا ہے۔ حقیقت میں **نمازوں** کی پابندی جسکو استعانت بالصلوٰۃ کہتے ہیں ہم سے مفقود ہو چکی ہے۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہے کہ وہ **نصرت** اور تائید جو **مومن** کی ہوتی ہے ہم سے جدا ہو چکی ہے +

مسلمان دنیا کے ہر حصہ میں اور ہر طبقہ کے مسلمان آج نوحہ خوانی کرتے ہیں اپنے **ماضی** پر اور اسکے **حصول** کے لیئے بڑی پرجوش تقریریں ہوتی ہیں مگر وہ **غافل** ہیں اس بات سے اور ناواقف ہیں اس **راز** سے کہ یہ نصرت مومنین کا حق ہے جو محض زبان سے نہیں بلکہ **عمل** سے **مومن** ہوتے ہیں اور اب تو یہ حالت ہے

تم خود ہی غیر بن کے محل سزا ہوئے
اب غیروں سے لڑائی کے معنے ہی کیا ہوئے

غرض حضرت **سید الشہداء** کی زندگی میں **استعانت بالصلوٰۃ** کا ایک عظیم الشان سبق ہمارے سامنے ہے۔

اب میں بتاتا ہوں کہ **صبر علی البلاء** کا کیسا کامل نمونہ آپ نے دکھایا ہے۔ **صبر علی البلاء** مومن کے ایمان کا ایک زبردست نشان ہوتا ہے۔ اور یہ **بلاء** اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اسکی غرض یہ نہیں ہوتی کہ **صادق** کو ہلاک کر دیا جائے بلکہ اسکے کمالات اور مخفی **اخلاق** فضائل کے اظہار کا وہ ذریعہ ہوتا ہے۔ اسی لیئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ الآیہ

بلاء یا ابتلاء کے متعلق یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب خدا کی طرف اسکی نسبت ہو تو اس سے مراد صاحب **ابتلاء** کے کمالات کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے حضرت **ابراھیم** علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراھیمؑ کی چند باتوں سے آزمائش کی۔ یہ آزمائش نعوذ باللہ اسلیئے نہ تھی کہ اُس **خالق فطرۃ** کو ابراہیمؑ کے کمالات کا علم نہ تھا بلکہ اسلیئے تھی کہ تا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کا علم خود ابراہیمؑ اور دنیا کو ہو جاوے مثلاً اسکو کہا کہ **أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ** +

ابراہیمؑ یہ سوال نہیں کرتے کہ کس امر میں فرمانبرداری ہوں بلکہ جواب میں کہا کہ **رب العالمین** کا فرماں بردار ہو چکا۔ دوسرے موقعہ پر ایک **رویاء** میں دکھایا گیا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرتے ہیں۔ دیکھو **خواب** ہے تعبیر ہو سکتی ہے؟ مگر کیسا **کامل** فرمانبردار ہے کہ خواب کی بنا پر بھی بیٹے کو قربان کرنے کے لیئے **آمادہ** و طیار ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی **کامل فرمانبرداری** اور اسکے لیئے **کامل قربانی** کی **روح** کا **شعور** اور **علم** دنیا کو نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر ابراہیم علیہ السلام پر یہ ابتلاء نہ آیا ہوتا۔

پس **صبر علی البلاء** کے لیئے مشکلات اور ابتلاؤں کا آنا ضروری ہے۔ اور ان ابتلاؤں اور **مصائب** کی ایک عام تقسیم جو ہو سکتی ہے وہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کر دی ہے **وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ** الآیہ۔

خوف۔ جوع۔ نقص من الاموال و الانفس و الثمرات۔ یہی چیزیں ہیں جہاں اظہار صبر کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ان بلاؤں کے نزول پر ان کامل انسانوں کے اندرونی کمالات کا اظہار ہوتا ہے جو اس قسم کے مصائب میں منشاء الٰہی کے ماتحت مبتلاء ہوتے ہیں اور وہ **منشاء ربانی** ان کے **کمالات اندرونی** کا اظہار ہے

غور کرو! اگر کربلا کا یہ **حادثہ عظیم** وقوع میں نہ آتا تو حضرت **سید الشہداء** کے وہ **کمالات باطنی** (جو آج ہمارے لیئے **خضر راہ** ہیں نہ صرف آج بلکہ جب تک دنیا قائم ہے وہ ایک **سبق آموز** واقعات اور ہر قسم کے کمالات کا صحیح نمونہ ہیں) ظاہر نہ ہوتے۔ کونسی **بلاء** باقی تھی جو **سید الشہداء** پر نازل نہیں ہوئی مگر کیا یہ بلائیں

اس پیکر صداقت کو اپنی جگہ سے جنبش دے سکیں

ان مصیبتوں کا خاتمہ محض یزید کی بیعت سے ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ **کوہ وقار** انسان جس نے **آغوش نبوۃ** میں تربیت پائی تھی اور جسکی **رگوں** میں **صداقت مجسم** کا خون گردش کر رہا تھا ان بلاؤں کو ذرا بھی تو وقعت نہیں دیتا +

جنگ کے میدان میں اپنی قوتوں پر حکومت کرنا آسان امر نہیں۔ وہاں انسانی قوتوں میں ایک ہیجان اور جوش ہوتا ہے لیکن دیکھو کہ یہ **ضابط علی القویٰ** انسان کسی وقت اور کسی حالت میں بھی **بے صبری** اور **بے قراری** کا اظہار نہیں کرتا اور نہ کسی قسم کی **مایوسی** اور **پست ہمتی** اسکے کسی فعل سے نمایاں ہوتی ہے +

اقسام بلاء { مجھے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں اس مقام پر اس شبہ کا بھی ازالہ کر دوں کہ بلاؤں کے نازل ہونے کی جڑ تو انسانی اعمال ہوتے ہیں پھر خدا تعالیٰ کے راستباز اور صادق بندے حتیٰ کہ **انبیاء علیہم السلام** کیوں ان بلاؤں میں مبتلاء ہو جاتے ہیں +

بلاء دو قسم کی ہوتی ہے **انبیاء علیہم السلام** اور صادقوں پر جو بلاء آتی ہیں وہ برنگ **اصطفاء** ہوتی ہیں ان سے غرض ان **اخلاق فاضلہ** اور **کمالات انسانی** کا اظہار مقصود ہوتا ہے جو **انسان** کو دیئے گئے ہیں۔ یہ کسی گناہ اور معصیت کا نتیجہ نہیں ہوتی ہیں +

اور یہی وجہ ہے کہ ان میں انکو ایک **صبر جمیل** دیا جاتا ہے جس سے وہ بلاء اور مصیبت ان کے لیئے **مدرک الحلاوت** ہو جاتی ہے۔ وہ اس سے لذت اٹھاتے ہیں اور ان کے مدارج اور مراتب کی ترقی کا ذریعہ ہو جاتی ہیں +

چونکہ وہ **نوع انسان** کے لیئے ایک **اسوہ** اور نمونہ ہوتے ہیں اسلیئے ضروری ہوتا ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ اور حصہ کے لیئے انکی زندگی میں ایک کامل نمونہ پایا جاوے۔ یہ امر سب سے بڑھ کر ہمارے **نبی کریم** صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا۔ اور کوئی نبی در استباز اس معاملہ میں آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ پہلے جس قدر **نبی** آتے رہے وہ ایک خاص قوم اور خاص ملک کے لیئے ہوتے تھے مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی **رسالۃ و دعوۃ** کا سلسلہ **غیر محدود و غیر مخصوص** ہے چنانچہ آپ کی دعوۃ کا دائرہ **انسان** پر کھینچا گیا ہے جیسا کہ فرمایا۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا

پس جہاں جہاں نسل انسانی پائی جاتی ہے کوئی **نبوۃ** اور کوئی **رسالۃ** اگر وہاں پیش کی جا سکتی ہے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی **نبوۃ** ہے اور یہی وجہ ہے کہ پہلے کسی تعلیم اور کتاب کے متعلق یہ نہیں کہا گیا کہ وہ کامل ہو گئی مگر یہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر ہوئی ہے

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي

یہ تکمیل اتفاقی طور پر نہیں بلکہ قدرتی طور پر ہوئی ہے میں اگر اس سلسلہ پر بحث کروں تو یہ مضمون خود ایک مستقل مضمون ہے جس میں بتایا جا سکتا ہے کہ اسلامی تعلیم اور ہدایت ہی ایک ایسی ہدایت ہے جو ہر زمانہ میں اور دنیا کے ہر حصہ میں قابل عمل رہا ہے اور اسلام ہی ایک مذہب ہے جو عالمگیر مذہب ہو سکتا نہیں بلکہ **فی الحقیقت ہے**

تو یہ بلائیں جو راستبازوں اور خدا کے صادقوں پر آتی ہیں اسکی **غایت و مقصود** ان کے کمالات اور **اخلاق** فاضلہ کا اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور **مال و دولت** کا لالچ۔ **خوبصورت عورتوں** کا لالچ۔ **بادشاہت** کا زریں تاج پیش کیا گیا اس ایک امر کے لیئے کہ وہ **تبلیغ و ہدایت** سے **رک جائیں** اور پھر آپ کو قید کر دینے۔ جلا وطن کر دینے اور بالآخر قتل کرنیکا خوف دلایا گیا مگر کیا یہ **لالچ** اور یہ **خوف** اُس **جادۂ مستقیم** سے آپ کو ہٹا سکا؟ پھر ایک وقت نہایت بیکسی اور بے بسی کی حالت میں آپ کو نکالا گیا تمام مصائب کی انتہا ہو گئی مگر کیا ان مصائب نے آپ کو **متزلزل** کیا۔ پھر وقت آیا کہ آپ ایک **جلیل القدر سلطان** کی شان سے مکہ میں داخل ہوئے اگر اسوقت مکہ کی گلیوں میں خون کی ندیاں بہا دی جاتیں۔ اور سخت سخت

سزا اُن لوگوں کو دی جاتی تو آج بھی تنقید و تبصرہ کے ایک زمانہ میں دنیا کی کوئی قوم کسی قصر امن میں انصاف کی کرسی پر بیٹھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس **فعل** کے خلاف فتویٰ نہ دے سکتی۔ مگر آپؐ نے باوجود **اقتدار** یا وجود برسرِ حق ہونے کے اُن سب کو **معاف کر دیا** اور کہدیا

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ

دنیا کی جنگی **تاریخوں** کو پڑھو۔ دنیا کے لیئے **رحمۃ للعالمین** اور **سلطان امن** کے اس فعل کی **نظیر** نہ ملے گی۔ **اللھم صلّ علیٰ محمّد وعلیٰ آل محمد وبارک وسلم**

یہ واقعات بتاتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان حالات کے اندر سے نہ گزرتے تو آپؐ کے کمالات **مخفی رہتے۔**

پس یہ **ابتلاء** محض اس غرض کے لیئے آیا کرتے ہیں اور یہ بلائیں ان کے درجات کی ترقی میں ایک زینہ کا کام دیتی ہیں جو شخص ان مصیبتوں اور بلاؤں میں نہیں پڑتا وہ کسی قسم کی ترقی نہیں کر سکتا دیکھو دنیا کے نظام میں یہی تکالیف اور مشقتوں کا ایک سلسلہ ہے جن میں سے ہر ایسے شخص کو جو ترقی کا خواہاں ہو گزرنا پڑتا ہے لیکن ان تکالیف اور شاقہ محنتوں میں باوجود تلخی کے ایک لذت ہوتی ہے جو اسے کشاں کشاں آگے لیئے جاتی ہے برخلاف اسکے وہ مصیبت اور تکالیف جو انسان کی اپنی بدکرداری کی وجہ سے آتی ہے اس میں ایک درد اور سوزش ہوتی ہے جو اسکی زندگی کے لیئے وبال جان ہو جاتی ہے اور وہ **موت کو ترجیح دیتا ہے** مگر نہیں جانتا کہ یہ سلسلہ مر کر بھی ختم نہیں ہوگا۔

اس عتاب اور دُکھ سے رہائی کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ انسان سچے دل سے توبہ کر کے ایک پاک تبدیلی اپنے اندر پیدا کرے کیونکہ ایسی **بلاؤں** کے وارد ہونے کے لیئے یہی قانون قدرت ہے۔ **إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ** یعنی جب تک کوئی قوم اپنی حالت میں تبدیلی پیدا نہیں کرتی اللہ تعالیٰ بھی اسکی حالت نہیں بدلتا۔

پس خدا تعالیٰ ایک تبدیلی چاہتا ہے اور وہ **پاک تبدیلی** ہے جب تک وہ تبدیلی نہ ہو عذاب الٰہی سے رستگاری نہیں ہو سکتی۔ یہ خدا تعالیٰ کا ایک لاتبدیل **قانون** اور سنت ہے **وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا**۔ اگلیسلم صداقت سے۔

غرض راستبازوں اور خدا تعالیٰ کے مقربین پر جو بلائیں آتی ہیں اسکا رنگ بالکل الگ ہے۔ اور وہ ترقی **مدارج** اور **قرب الٰہی** کے لیئے ہوتی ہیں۔ یہ میرا ذاتی خیال نہیں بلکہ قرآن مجید خود اس مقام پر فرماتا ہے۔

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ

رضا بالقضاء اس آیت پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ **بلاء** برنگ **اصطفاء** ہے اور ایسی بلاؤں پر **صبر** کا مقام وہ اعلیٰ مقام ہے جو **رضا بالقضاء** کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے جب تک یہ مقام حاصل نہ ہو صدق دل سے انسان **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ** نہیں کہہ سکتا۔ یہ کلمہ جو کسی مصیبت کے وقت ہم بولتے ہیں یہ **رضاء بالقضاء** اور **توحید تام** کا ایک بلند مقام ہے اسمیں یہ بتایا ہے کہ اگر مال و جان کا کچھ نقصان ہوا تو یہ چیزیں انسان کی زندگی کا مقصود بالذات نہیں ہیں بلکہ اصل مقصود تو اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں لگا دینا ہے۔ دنیا کی تمام چیزیں جن سے ہم فائدہ اُٹھاتے ہیں خواہ وہ کیسی ہی **محبوبات و مالوفات** میں سے ہوں لیکن آخر خدا تعالیٰ کی دی ہوئی امانتیں ہیں وہ جب چاہے اپنی امانتوں کو واپس لے لے یہ شعور اور بصیرۃ انسان میں پیدا ہو جاتی ہے تو وہ کسی چیز کے جاتے رہنے پر اسقدر بیقرار اور متاسف نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ کی رضا کے مقام کو چھوڑ دے۔

اب حضرت **سید الشہداء** کی زندگی پر غور کرو کہ وہ **رضاء بالقضاء** کے کس عالی مقام پر تھے۔ کونسی قربانی تھی جو انکو کرنی نہیں پڑی **وطن** انسان کو فطرتاً محبوب ہوتا ہے مگر اس **پاک انسان** کو بے وطن ہونا پڑا اور اپنی آنکھوں کے سامنے سارا خاندان **شہید** ہو گیا۔ **اولاد** انسان کو بہت **محبوب** ہوتی ہے پھر وہ اولاد جو سعادت مند اور صالح ہو اور بھی پیاری ہوتی ہے لیکن اس **مرد خدا** کی آنکھ نے دیکھا کہ نہایت بیکسی کے عالم میں محض **خدا کی رضاء** کے لیئے اسکے **بچے** قربان ہو رہے ہیں اور اسکے چہرہ پر شکن تک نہ آئی۔

اگر حضرت **امام حسین**رض سب سے پہلے **شہید** ہو جاتے تو انکے وہ **کمالات** جو اس موقعہ پر **صبر عظیم** کی صورت میں ظاہر ہوئے مخفی رہتے اور ممکن تھا کہ کوئی نادان کہتا کہ چونکہ انھوں نے ان تکالیف اور مصائب کو نہیں دیکھا جو انسان پر جذباتی طور پر **اولاد** کے مرجانے سے آتی ہیں، اسلیئے وہ **کمال صبر** نہیں پایا جاتا۔ مگر یہاں صورت بالکل الگ ہے جو ان کے شیرخوار بچے شہید ہو رہے ہیں اور تمام رفقاء یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ اُتر گئے ہیں مگر یہ **مرد خدا** خدا کی اس **مشیت** اور **قضاء** پر نہایت **شرح صدر** کے ساتھ راضی ہے یہ مقام **رضاء بالقضاء** کا نہایت مشکل مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے **صحابہ** کی تعریف میں جو فرمایا **رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ **معرفت** اور **قرب الٰہی** کے نہایت اعلیٰ مقام پر تھے۔

اللہ کی **رضاء** کا حاصل کر لینا یا اللہ تعالیٰ کا راضی ہو جانا اسقدر مشکل نہیں جس قدر اللہ تعالیٰ کی قضاء کے ساتھ راضی ہو جانا مشکل ہے اللہ کی رضاء انعامات کے رنگ میں آتی ہے اور خدا سے راضی ہونیکے لیئے **مصائب** اور مشکلات میں سے گزرنا لازمی ہے۔ پھر جبتک ان مصائب میں خدا کی تقدیر سے **کامل صلح** اور انشراح حاصل نہ ہو اُسوقت تک وہ **رَضُوْا عَنْهُ** کے مقام پر نہیں پہنچتا۔

پس **امام حسین** رضی اللہ عنہ کی زندگی یہ سبق دیتی ہے کہ **رضاء بالقضاء** وہ عالی مقام ہے جہاں انسان نہ صرف ایک کامل اطمینان اور تسلی کو پالیتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی **صلوٰت۔ رحمۃ** اور ہدایۃ کا وہ وارث ہو جاتا ہے

أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ○

مہتدون وہ لوگ ہوتے ہیں جنھوں نے خدا تعالیٰ کی منشاء کو پا لیا اور کامل طور پر اس **فوز و فلاح** قرار دیا گیا ہے۔

أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

چونکہ **قرآن** مجید کا عام اسلوب کلام ایسا واقع ہوا ہے کہ وہ کسی **تعلیم و ہدایت** کو پیش نہیں کرتا جسکی **حکمۃ** اور نتائج کو پیش نہ کرتا ہو اور کوئی دعویٰ نہیں کرتا جسکی دلیل وہ خود نہ دیتا ہو۔ اس مقام پر اُس نے **عبد** اور **رضا بالقضاء** کی تعلیم دی اور اسکے نتائج کو بیان کیا۔ یہ محض ایک دعویٰ اور خوش کن بات ہوتی اگر واقعات کے ساتھ اسکی تائید نہ ہوتی چنانچہ اس سے آگے اللہ تعالیٰ نے **صفا** اور **مروہ** کا ذکر کیا ہے ایک **ظاہر بیں** اور سطحی خیال کا آدمی کہہ سکتا ہے کہ یہ ایک بے جوڑ سی بات ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صفا مروہ کا ذکر ایک ایسی **دلیل** کے طور پر کیا ہے جو **واقعات صحیحہ** کی بنا پر اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مقادیر سے صلح اور **رضاء بالقضاء** بڑے بڑے انعامات کا وارث بنا دیتی ہے

صفا اور **مروہ** وہ مقام ہیں جہاں حضرت **ہاجرہ** حضرت **اسمٰعیل** کے لیئے پانی کی تلاش میں دوڑی ہیں اور اس مقام پر حضرت **ہاجرہ** محض اللہ تعالیٰ کے حکم سے رکھی گئی تھیں۔ خدا کی رضاء کے لیئے ان کا اس مقام کو اختیار کر لینا ایک عظیم الشان **قربانی** اور کامل **صدق** و **صبر** کا ایک نشان ہے۔ پھر اس **قربانی** کا کیا صلہ ملا:

دنیا جانتی ہے کہ وہ عظیم الشان **نبی** جو تمام نبوتوں اور تمام کمالات کا جامع ہے۔ اور جو ابد الآباد کے لیئے **نبی** ہے جسکے بعد کوئی نئی تعلیم اور نئی شریعت نہیں آسکتی۔ اور تمام کمالات روحانی کے حصول کے لیئے صرف آپؐ کی ہی **اتباع** لازمی ہے وہ اسی **ہاجرہ** کے بیٹے **اسمٰعیل** علیہ السلام کی نسل سے پیدا ہوا صلی اللہ علیہ وسلم

انسان جب حضرت امام **حسین** رضی اللہ عنہ کی ان بلاؤں اور مصیبتوں کو یکجائی طور سے مشاہدہ کرتا ہے تو سنگدل سے سنگدل آدمی بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ **سید الشہداء** کا ان تمام بلاؤں کو ہنسی خوشی قبول کر لینا اور خدا کی راہ میں جان دیدینا اور پھر ایسی حالت میں کہ تمام **رفیق** و **خاندان** کے تمام عزیز آنکھوں کے سامنے رخصت ہوئے یہ معمولی بات نہیں ہے۔ اور اس حالت میں بھی آپ نے خدا کی جناب میں **آخری نماز** ادا کی اور اس نماز میں **الحمد للہ** پڑھا۔ کس طرح الحمد للہ انسان کے قلب سے ایسی حالت میں نکل سکتی ہے جب تک کامل صلح خدا کی تقدیر سے نہ ہو۔ اور قلب مطمئن نہ ہو۔

پس حضرت سید الشہداء کی زندگی جہاں ایک طرف قرب الٰہی کی اس انتہائی تعلیم کو عملاً پیش کرتی ہے جو **رضا بالقضاء** ہے اور جو **استعانت بالصبر** اور **استعانت بالصلوٰۃ** کے الفاظ میں تعلیم کیگئی ہے۔ وہاں دوسری طرف **تمام اخلاق فاضلہ** کی بھی **عملی تعلیم** ہے۔ **استقامت** اور **ثبات قدم** کا وہ نمونہ آپ نے دکھایا کہ اسکی **نظیر افراد امت** میں کم ملے گی۔

پھر حضرت سید الشہداء نے اپنی عملی زندگی سے دکھایا کہ حق اور باطل کے مقابلہ میں باطل کی کوئی شوکت اور قوت مومن کے قلب پر اثر نہیں ڈال سکتی۔ اور دنیا کا کوئی لالچ اسکو جنبش نہیں دے سکتا۔ جب یہ قوت اور فطرت ا

شہداء کی زندگی کی حقیقت

شہداء کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ۔ اس زندگی کا قرآن کریم کی حقیقت سے ناواقف ہونیکے باعث اسقدر غلط مفہوم لیا گیا ہے کہ اب وہ نہ صرف اصلیت سے دور ہو گیا ہے بلکہ شرک کی حد تک پہنچ گیا ہے یہاں تک کہ شہداء کو نہ صرف زندہ سمجھا جاتا ہے بلکہ ان سے استمداد لی جاتی ہے۔ یہ امر منشاء قرآنی اور ربانی سے سراسر دور ہے موت تو انبیاء علیہم السلام صدیقوں، شہیدوں اور صالحین سب کو آتی ہے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید میں فرمایا گیا اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم الشان نبی پر جو تمام نبوتوں کے جامع اور خاتم ہیں اور جنپر انسانیت کے تمام کمالات پورے ہو گئے ابھی تو موت آئی تو اور کون ہے جو زندہ بچ رہے۔ پس یہ موت تو سب پر آتی ہے۔ ہاں جس زندگی کا خدا نے اظہار فرمایا ہے کہ وہ مردہ نہیں ہوتے کیونکہ ان کی موت ناکامی اور غم و ہم کی موت نہیں ہوتی ہے۔ یہ لوگ اس دنیا میں خدا کو دیکھ لیتے ہیں اور اسکی ہستی پر انہیں ایک لذیذ ایمان پیدا ہو جاتا ہے گویا وہ خدا کی ہستی پر ایک عینی گواہ ہوتے ہیں اور وہ حجاب جو اکثر اہل دنیا کی صورت میں اس عالم میں رہتا ہے شہداء کی صورت میں اٹھ جاتا ہے وہ اسی زندگی میں ایک غیر فانی زندگی پالیتے ہیں اور موت کا عمل ان کے لیئے ایک نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے اسلیئے وہ زندہ ہی کہلاتے ہیں اور علاوہ بریں جس مقصد اور غرض کے لیئے وہ اپنی زندگی ظاہری سے الگ کیئے جاتے ہیں وہ مقصد کامل طور پر پورا ہو جاتا ہے۔

پس آپ جو آج اسلیئے جمع ہوئے ہیں کہ حضرت سید الشہداء کی زندگی کی آخری گھڑیوں کے حالات سنیں اور کربلا کے واقعات پر غور کریں کیا آپ کی غرض محض اسی قدر ہے کہ تاریخ کے چند اجزاء آپ کے سامنے پیش کر دیئے جاویں اور رسمی طور پر ان کو سن لیں اور اس بیکسی اور بے بسی کی موت پر چند آنسو بہالیں اگر آپ کا مقصود اسی قدر ہے تو افسوس اس مقصد پر۔

لیکن اگر آپ کی غرض اس سے بالاتر ہے اور وہ حضرت سید الشہداء کی زندگی کی کیفیت اور رنگ سے رنگین ہونا ہے تو آپ مبارک ہیں۔ اس جنگ کا جو حق و باطل کی ایک لڑائی تھی اور کربلا کے میدان میں جس کے مظاہر یزید و حسین تھے کیا نتیجہ ہوا؟ کچھ شبہ نہیں کہ بظاہر امام حسین شہید ہو گئے اور آپکے خاندان میں حضرت زین العابدین کے سوا جو وہ بھی بیمار تھے کوئی مرد زندہ نہ رہا مگر جانتے ہو آج امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد کس قدر ہے؟ اور باوجودیکہ ان میں وہ روح اور وہ عملی قوت نیکی اور طہارت کی نہیں مگر پھر بھی وہ سید القوم ہے۔ اور ہر جگہ عزت و اکرام سے دیکھی جاتی ہے۔

یزید جو اسوقت کا ایک بہت بڑا بادشاہ تھا جس کے بعد بھی حکومت اور سلطنت کا سلسلہ ایک عرصہ تک رہا۔ آج کوئی شخص اتنا بھی پسند نہیں کرتا کہ وہ اپنی اولاد کا نام یزید رکھ لے یا اپنے آپ کو یزید کی طرف منسوب کرے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسکی نسل کے لوگ دنیا سے مفقود ہو گئے ہیں مگر اسکا فعل ایسا کریہ اور قابل نفرت تھا کہ آج کوئی انسان پسند نہیں کرتا کہ اسکی طرف منسوب ہو۔ معانی کے لحاظ سے یزید نہایت عمدہ نام ہو سکتا ہے مگر کوئی شخص گوارا ہی نہیں کر سکتا کہ اسکا یا اسکے بیٹے کا نام یزید ہو۔ یہ ایک غیر فانی تعزیر اور سزا ہے جو اس نالائق حرکت کے نتیجہ کے طور پر پیدا ہوئی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد اس ایک بیمار زین العابدین رضی اللہ عنہ سے اسقدر بڑھی کہ دنیا کے ہر حصہ میں پھیل گئی اور خدا تعالیٰ نے اسکو کسی نعمت سے محروم نہ کیا۔ یہانتک کہ حکومت و سلطنت سے بھی اپنے وقت پر بہرہ اندوز فرمایا۔ حق و باطل کی یہ جنگ دنیا کے آخر تک رہیگی۔

آؤ ہم اپنے اعمال اور کرتوتوں کا محاسبہ کریں کہ کیا ہم حق اور صداقت کے قبول کرنے کے لیئے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی روح اپنے اندر رکھتے ہیں یا حق کو کچلنے اور صداقت کو مٹانے کے لیئے نعوذ باللہ یزید کی طرح طیار ہیں۔

اسوقت ہماری عملی حالت کیا ہے؟ میں نہیں چاہتا کہ اسکا نقشہ آپ کے سامنے رکھوں۔ تم خود غور کرو اور فکر کرو۔ مسلمان اپنے تنزل کے اسباب کو تلاش کرتے ہیں اور وہ ان اسباب کو کبھی فقدان تعلیم و تجارت میں دیکھتے ہیں اور کبھی سیاسی کمزوریوں کو اسکا باعث قرار دیتے ہیں مگر سنو! اور غور سے سنو! قرآن مجید نے اس راز کو خود بتلایا ہے اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا قوم نے القرآن کو چھوڑ دیا ہے۔ یہی چیز تھی جسنے انکو متنبہ کیا تھا یہی نور تھا جسکو لیکر وہ دنیا کی ہدایت اور رہنمائی موجب ہوئے تھے۔ یہی وہ نسخہ شفاء تھا جسنے ہر قسم کے امراض سے وہ اخلاقی تھیں یا روحانی۔ دنیوی تھیں یا دینی نجات دی تھی۔ یہی وہ زبردست قوت اور حبل اللہ تھی جسنے انکو قعر مذلت سے نکال کر رفعت و اقبال کے بلند منارہ پر کھڑا کر دیا تھا۔ مگر آج مسلمان اسے چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اور اسی لیئے عملی قوت انمیں نہیں رہی اور وہ ہر قسم کی بد اعمالیوں میں مبتلا ہیں۔ میں ضرورت نہیں سمجھتا کہ اسکی تصریح کروں کیونکہ یہ ایک فیکٹ اور مشہود حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

پس اسوقت اسلام کا صرف نام اور رسم باقی ہے وہ چیز جسکو ایمان کہتے ہیں اسکی جگہ چند الفاظ نے لے لی ہے اور اس چیز کو جو اعمال صالحہ سے تعبیر کی جاتی ہے چند رسوم کی صورت میں تبدیل کر دیا گیا ہے ایمان و اعمال صالحہ کی حقیقی روح بالکل نکل چکی ہے۔ ایسی حالت میں اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ چاہتا ہے اور وہ فدیہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔ یہ موت ایسی موت نہیں ہے جو کسی میدان جنگ کو چاہتی ہو بلکہ یہ موت وہ موت ہے جو انسان کو اپنے نفسانی جذبات اور سفلی خیالات و خواہشات پر وارد کرنی پڑتی ہے جب انسان مضار بہ قوی کرتا ہے اور اسطرح قتل نفس اسے کرنا پڑتا ہے تو ایک نور اور معرفت اسے دی جاتی ہے اسی کے لیئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى

یہ حیات پھر لازوال حیات ہوتی ہے۔ پس آج اسلام خود ایک ایسے نرغہ میں پھنسا ہوا ہے کہ جسطرح شہید کربلا ان لوگوں کے نرغہ میں تھا جو بظاہر مسلمان ہی کہلاتے تھے مگر انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خون بہانے میں تامل نہ کیا۔ انھوں نے اپنے عمل سے بتایا کہ وہ طریق انھوں نے اختیار کیا جو مومن اور مسلم کی شان سے بعید تھا۔

اسی طرح آج ہم مسلمان کہلا کر ان افعال اور کرتوتوں کو اختیار کرتے ہیں جنکا اسلام سے کوئی تعلق اور رشتہ نہیں ہے پس اگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی زندگی سے آپ کوئی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اٹھانا چاہتے ہیں تو وہ یہی ہے کہ اسلام کے احیاء کے لیئے ہر موت کو قبول کرنے کے لیئے طیار رہو اور اسکے لیئے سب سے اول اس امر کی ضرورت ہے کہ ہم میں اسلامی رنگ پیدا ہو اور قرآن مجید پر عمل کرنے کے لیئے ہر قسم کی قربانی پیدا کر سکیں۔ یاد رکھو قرآن مجید کا یہ خاصہ ہے کہ وہ عملی قوتوں کو نشوونما دیتا ہے اسلیئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی یہی غرض ہے آپ ایک مزکی تھے اور جو تزکیہ اور تطہر آپ نے کر کے دکھایا اسکی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔

عرب کے وحشیوں کو آپ نے انسان بنایا پھر با اخلاق انسان بنایا اور بالآخر باخدا انسان بنا دیا۔

قرآن مجید کی عملی قوتوں کا نشوونما موقوف ہے اس امر پر کہ قرآن مجید کی تلاوت کی جاوے اور قرآن مجید کے مطالب اور تعلیم پر غور کیا جاوے۔ آج ہماری تمام توجہ ان علوم کی طرف ہے جو مادیات کے لیئے ہمارے معاون ہو سکیں قرآن مجید رسمی طور پر بھی پڑھا نہیں جاتا اور اسکا سمجھنا تو در کنار اتنی وقعت بھی نہیں دی جاتی جسقدر کہ ایک دوست کے خط کو دی جاتی ہے۔ حالانکہ یہ رب العالمین کا کلام ہے جو رحمۃ للعالمین پر نازل ہوا اور جسکو جبریل امین لے کر آئے۔ اور اس کلام کے پہنچانے کے لیئے ہزاروں ہزار قربانیاں صحابہ کی پاک جماعت کو کرنی پڑیں۔ اسی قرآن کریم کی عملی تعلیم کا نمونہ دکھانے کے لیئے سید الشہداء نے اپنے خون سے غیر فانی استقلال و عزیمت کی یادگار کو قائم کیا۔

مگر آج ہم اس سے کیا سبق لیتے ہیں۔ جو سبق ہم نے لیا ہے وہ جاؤ بازاروں میں ملاحظہ کرو جسکو دیکھ کر شرم آتی ہے پس اٹھو اور آج اس عظیم الشان دن کی یاد میں عہد کرو